"عنایت اللہ انصاری"

Anayetullah Ansari

Assistant Professor Department of URDU

RBGR Collage Maharajganj SIWAN Bihar

Contact No. 9031431678 / 6201471567

Email : anayetullahansari@rediffmail.com

"Sinf-e-Dastangoi Taarif aur Tareekh"

BA Urdu (Hons) Part-1 (Paper-1)

"صنف داستان گوئی تعریف اور تاریخ"

اردو زبان میں قصہ اور کہانی کی جو سب قدیم ترین صنف ہے، اس کو داستان کہتے ہیں۔ عہد قدیم میں نثر میں جو بھی طویل قصے لکھے گئے، اس کو داستان کے صنفی نام سے یاد کیا گیا۔ داستان کا بنیادی اور مابہ الامتیاز عنصر تو وہی قصہ اور کہانی ہے، مگر یہ نثر کی دوسری اصناف کے مقابلے میں بہت طویل ہوتی ہے، زمانۂ قدیم میں لوگوں کے پاس فارغ البالی تھی، ان کے پاس زندگی کے مسائل نہیں تھے، وہ ہر طرف سے آزاد تھے، وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا، تو وقت گزاری کے لیے یہ لوگ خیالی دنیا میں سیر کرانے والی داستانوں کا سہارا لیتے تھے۔ عموماً شب میں چوک چوراہے پر یا کسی دروازہ یا چوپال پر گاؤں دیہات کے لوگ جمع ہو جاتے تھے اور ایک قصہ گو اپنے انداز میں داستان سرائی کرتا تھا، جس سے عوام الناس بھی لطف اندوز ہوتے تھے۔ نئی نثری اصناف کے وجود میں آنے سے قبل جتنے قصے لکھے گئے ہیں، وہ سب داستان کے ذیل میں آتے ہیں۔ داستان امیر حمزہ، الف لیلہ اور طلسم ہوش ربا اردو کی کامیاب داستانیں ہیں۔

مگر جب صنعتی عہد آیا، سائنسی ایجادات سے لوگوں کا واسطہ پڑا اور تعلیم کی روشنی سے قلب و دماغ منور ہوا، تو داستانوں کا کوئی مقام نہیں رہا۔ جب لوگوں کے پاس وقت نہیں رہا، انھیں دوسرے مسائل زمانہ نے گھیر لیا تو دوسری مختصر اصناف نے جنم لیا۔ یوں تو ناول، ڈراما، افسانہ سبھی نثری اصناف ہیں، جن میں قصہ بیان کیا جاتا ہے، مگر یہ داستان سے الگ ہے۔ داستان میں قصے شاخ در شاخ پھوٹتے رہتے ہیں اور ایک قصہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا قصہ اسی کے بطن سے جنم لیتا ہے اور داستان شیطان کی آنت کی طرح طویل ترین ہو جاتی ہے۔ ماہرین و ناقدین نے داستان کی بہت سی تعریفیں کی ہیں، لیکن نصاب میں شامل کہکشاں حصہ دوم میں داستان کی تعریف میں یہ جملے ملتے ہیں:

''داستانوں میں ایک ساتھ متعدد قصے اس طرح شامل کیے جاتے ہیں کہ وہ الگ الگ آزادانہ وجود تو رکھتے ہی ہیں لیکن ایک باریک دھاگے سے وہ اصل قصے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔''

داستان کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں مافوق فطری عناصر کی بھرمار ہوتی ہے۔ شاید ہی اردو کی کوئی داستان مافوق فطری عناصر کی بہتات سے مبرا ہو۔ اسی مافوق فطری عناصر کے بل پر داستان گو کے لیے سامعین کو تخیلات کی وادی میں لے جانا آسان ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے سحر میں کھو کر حقیقی دنیا کے غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

داستانیں صرف قصہ کہانی کی چیز نہیں، یہ ہماری قدیم وتہذیب وثقافت کا گہوارہ بھی ہوتی ہیں۔ پرانے زمانے کی زبان اور لوگوں کے رہن سہن اور ان کی عادات واطوار سے واقفیت کے لیے داستان کلید کا کام دیتی ہے۔ محاورات، ضرب الامثال کا جتنا بہترین استعمال داستانوں میں ملتا ہے، اتنا کسی دوسری نثری صنف میں نہیں ملتا۔

ملا وجہی کی سب رس کو اردو کی قدیم ترین اور پہلی داستان ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۶۳۲ء ہے۔ اس داستان میں حسن و عشق کی تمثیل کے ذریعے پند ونصیحت کی گئی ہے۔ زبان بھی بہت قدیم اور مشکل ہے، جس کو بغیر تشریح کے سمجھنا محال ہے۔ شمالی ہندستان کی داستانوں میں قصۂ مہر افروز دلبر (عیسوی خاں)، نوطرز مرصع (عطا حسین خاں تحسین)، نوآئین ہندی (مہر چند کھتری) اور عجائب القصص (شاہ عالم ثانی) اہم اور قابل ذکر ہیں۔ یہ اٹھارہویں صدی عیسوی کا زمانہ تھا۔

داستانوں کو سب سے زیادہ عروج اور فروغ فورٹ ولیم کالج میں ملا، اس کالج کو انگریز افسران نے ایک مقصد کے تحت قائم کیا تھا، جہاں داستان نویسوں کی ایک بہت بڑی تعداد کام کر رہی تھی اور نئی نئی داستانوں سے اردو کے سرمایے میں اضافہ کر رہی تھی۔ میر امن دہلوی کی باغ و بہار، حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل، مرزا کاظم علی جواں کی شکنتلا ناٹک اور نہال چند لاہوری کی نثر بے نظیر فورٹ ولیم کالج کی دین ہیں۔

وہ زمانہ قصہ گوئی کا تھا، بڑے بوڑھے اور جوان سبھی کو اس فن سے دل چسپی تھی، اس لیے داستان نویسی کا کام صرف فورٹ ولیم کالج میں ہی نہیں ہو رہا تھا، بلکہ کالج سے باہر بھی دل چسپ داستانیں لکھی جا رہی تھیں۔ انشاءاللہ خاں انشا نے 'رانی کیتکی کی کہانی' جیسی مختصر مگر مشہور اور دل چسپ داستان لکھی جس کی زبان عربی فارسی الفاظ کی آمیزش سے پاک ہے اور آج بھی ایک معیار تصور کی جاتی ہے۔ باغ عشق (بینی نراین جہاں)، الف لیلی (منشی عبد الکریم)، بوستان خیال (خواجہ امان دہلوی رقمر الدین راقم)، گلشن نو بہار (محمد بخش مہجور)، فسانۂ عجائب (مرزا رجب علی بیگ سرور)، قصۂ بہرام گور (میر فرخند علی)، طلسم ہوش ربا (احمد حسین جاہ) یہ ساری داستانیں بھی فورٹ ولیم کالج کے احاطے سے باہر لکھی گئیں اور اپنے عہد میں بہت مقبول ہوئیں۔

مگر یہ صنف چوں کہ زمانے کے ساتھ نہ چل سکی، اس لیے یہ تعلیمی ترقیاتی عہد کے بعد دم توڑ گئی۔ جب تعلیم کا دائرہ پھیلا اور لوگوں کا ذہن تعلیم کی روشنی سے معمور ہوا تو انھوں نے داستانوں سے رشتہ توڑ لیا، کیوں کہ داستانوں میں حقیقی زندگی سے فرار کا راستہ اختیار کیا جاتا تھا اور اس میں حقیقی زندگی کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا تھا۔ سائنسی عہد میں پریوں، جنوں اور بادشاہوں اور شہزادوں کے واقعات اور تخیلاتی فضا سے انھیں ایک قسم کا تنفر ہو گیا، مگر اسی داستان کے بطن سے ناول جیسی صنف نے جنم لیا، جس کو نئے عہد کی زندگی کا ترجمان کہا گیا، کیوں کہ ناول میں حقیقی زندگی کی تصویر کشی ہوتی ہے، ناول صنعتی اور سائنسی عہد کی دین ہے، جو ہماری زندگی کے حقیقی مسائل سے مربوط ہوتی ہے۔

آج داستان اردو ادب میں قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔